
THE
LAST STEP

حصہ دوم

دہلیز 9

آخری قدم

بچپن میں ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا وہیں ختم ہوتی ہے جہاں ہماری نظر ختم ہوتی ہے۔

قصبے کے پار کی پہاڑی۔

محلے سے آگے کی سڑک۔

سمندر کے پار کا افق۔

ہم سمجھتے ہیں کہ سرحد وہیں ہے جہاں تک ہم جانتے ہیں۔

پھر ہم بڑے ہوتے ہیں۔

اور دریافت کرتے ہیں کہ سب سے اہم کنارے جغرافیائی نہیں ہوتے۔

وہ اندرونی ہوتے ہیں۔

کئی برسوں تک میں اپنی زندگی کو ایسے خطوں کا مجموعہ تصور کرتا رہا جن تک پہنچا جا سکتا ہے۔

ایک نوکری۔

ایک عہدہ۔

ایک ہدف۔

ایک منصوبہ۔

جب بھی میں کسی ہدف تک پہنچا، کوئی اور ہدف نمودار ہو گیا۔

جب بھی میں نے کوئی سرحد پار کی، مجھے ایک نئی سرحد ملی۔

شروع میں یہ ولولہ انگیز تھا۔

یہ ترقی کی ایک صورت لگتی تھی۔

پھر مجھے کچھ محسوس ہونے لگا۔

مجھے سنگِ میلوں نے نہیں بدلا۔

مجھے گزرگاہوں نے بدلا۔

اس لمحے نے جب میں جانی پہچانی زمین چھوڑ کر ایسی چیز پر قدم رکھتا جس پر میرا اختیار نہیں رہتا تھا۔

وہیں اہم چیزیں رونما ہوئیں۔

ہمیشہ وہیں۔

کبھی حفاظت میں نہیں۔

ہمیشہ کنارے پر۔

کنارہ ایک خاص جگہ ہے۔

وہ ماضی کا حصہ نہیں۔

وہ مستقبل کا حصہ نہیں۔

وہ ایک باریک لکیر ہے جہاں یقین ختم ہوتے ہیں اور امکانات شروع ہوتے ہیں۔

اسی لیے یہ خوفناک ہے۔

اور اسی لیے یہ قیمتی ہے۔

اپنی زندگی میں میں نے بہت سے کنارے پار کیے ہیں۔

کچھ پیشہ ورانہ۔

کچھ ذاتی۔

کچھ ایسے جو میرے سوا کسی کو نظر نہیں آتے تھے۔

وہ دن جب میں نے ایک تحفظ چھوڑا۔

وہ دن جب میں نے پہلے سے بڑی ذمہ داری قبول کی۔

وہ دن جب ایک بیماری نے وقت کے معنی بدل دیے۔

وہ دن جب ایک نقصان نے محبت کے معنی بدل دیے۔

ہر بار ترتیب وہی تھی۔

پہلے خوف۔

پھر شک۔

پھر قدم۔

آخر میں دریافت۔

برس گزرتے گئے تو میں نے سیکھا کہ تقریباً تمام اہم چیزیں کنارے کے پار بستی ہیں۔

محبت اختیار کے کنارے کے پار بستی ہے۔

اعتماد خوف کے کنارے کے پار بستا ہے۔

نشوونما عادت کے کنارے کے پار بستی ہے۔

آزادی تحفظ کے کنارے کے پار بستی ہے۔

اور معنی انا کے کنارے کے پار بستے ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کنارہ آرام دہ ہے۔

وہ کبھی نہیں ہوتا۔

کوئی بھی کسی اندرونی حد کو کچھ ادا کیے بغیر واقعی عبور نہیں کرتا۔

اپنے یقین پیچھے چھوڑنے پڑتے ہیں۔

عادتیں۔

شناختیں۔

اپنی پرانی پڑ چکی صورتیں۔

ہر تبدیلی ایک علیحدگی مانگتی ہے۔

اور ہر علیحدگی ایک طرح کا درد پیدا کرتی ہے۔

اسی لیے بہت سے لوگ ٹھہرے رہنا پسند کرتے ہیں۔

اس لیے نہیں کہ وہ کمزور ہیں۔

بلکہ اس لیے کہ وہ قیمت سمجھتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ ٹھہرے رہنے کی بھی قیمت ہوتی ہے۔

ایک کم نظر آنے والی قیمت۔

مگر حقیقی۔

ضائع شدہ امکان کی قیمت۔

نہ جی گئی زندگی کی۔

بے جواب سوال کی۔

کبھی کبھی میں نے خود سے پوچھا ہے کہ اگر میں زیادہ کثرت سے احتیاط کا انتخاب کرتا تو کیا ہوتا۔

غالباً میں کم غلطیاں کرتا۔

میں کم دکھ اٹھاتا۔

میں کم خطرے مول لیتا۔

مگر میں ایک مختلف انسان بن جاتا۔

شاید زیادہ محفوظ۔

یقیناً کم مکمل۔

کیونکہ جب بھی ہم کوئی کنارہ پار کرتے ہیں، حقیقت کا ایک حصہ آخرکار ہم پر ظاہر ہوتا ہے۔

پہلے نہیں۔

بعد میں نہیں۔

صرف پار کرتے ہوئے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی کتاب تجربے کی جگہ نہیں لے سکتی۔

کوئی مشورہ فیصلے کی جگہ نہیں لے سکتا۔

کوئی نظریہ جی ہوئی زندگی کی جگہ نہیں لے سکتا۔

ہم تیاری کر سکتے ہیں۔

ہم مطالعہ کر سکتے ہیں۔

ہم سن سکتے ہیں۔

مگر پار جانا ہمیشہ ہمارے ہی حصے میں آتا ہے۔

اور یہ ایک تنہا گزر ہے۔

لوگ تمہارے ساتھ کنارے تک آ سکتے ہیں۔

وہ تمہاری حوصلہ افزائی کر سکتے ہیں۔

وہ تمہیں سہارا دے سکتے ہیں۔

وہ تم سے محبت کر سکتے ہیں۔

مگر آخری قدم ہمیشہ اسی کا ہوتا ہے جو اسے اٹھاتا ہے۔

وقت کے ساتھ میں نے کنارے کو رکاوٹ کے طور پر نہیں بلکہ دعوت کے طور پر دیکھنا شروع کیا۔

اس سے باہر قدم رکھنے کی دعوت جو میں پہلے سے جانتا تھا۔

خود کو اس سے پہچاننا چھوڑ دینے کی جو میں کر چکا تھا۔

اس کے لیے جگہ چھوڑنے کی جو میں ابھی بن سکتا تھا۔

اس شعور نے مستقبل کے ساتھ میرا رشتہ بدل دیا۔

میں نے اسے منزل سمجھنا چھوڑ دیا۔

میں اسے کھوج کا ایک خطہ سمجھنے لگا۔

مجھے اس پر قابو نہیں رکھنا تھا۔

مجھے اسے پار کرنا تھا۔

یہ بہت بڑا فرق ہے۔

کیونکہ قابو تناؤ پیدا کرتا ہے۔

کھوج تجسس پیدا کرتی ہے۔

اور تجسس ہمت کی سب سے نفیس صورتوں میں سے ایک ہے۔

آج پیچھے مڑ کر دیکھوں تو مجھے تمام نتائج یاد نہیں۔

مجھے سارے اعداد یاد نہیں۔

مجھے ساری جیتیں یاد نہیں۔

اس کے بجائے مجھے کنارے یاد ہیں۔

وہ لمحے جب میں واپس مڑ سکتا تھا اور نہیں مڑا۔

وہ لمحے جب میں دروازہ بند کر سکتا تھا اور میں نے اسے کھول دیا۔

وہ لمحے جب میں تحفظ چن سکتا تھا اور میں نے امکان چنا۔

ہمیشہ اچھا نہیں ہوا۔

کبھی میں غلطی پر تھا۔

کبھی میں نے بھاری قیمت چکائی۔

مگر ہر بار میں نے کچھ ایسا سیکھا جو ساکت کھڑے رہ کر نہیں سیکھ سکتا تھا۔

اور یہی بات اہم ہے۔

زندگی کے اختتام پر ہماری پہچان صرف اس سے نہیں ہوتی جو ہم نے تعمیر کیا۔

ہماری پہچان ان حدوں سے بھی ہوتی ہے جنہیں پار کرنے کی ہم نے ہمت کی۔

کیونکہ ہر انسان کے اندر ایک کنارہ ہوتا ہے۔

ایک غیر مرئی لکیر جس کے پار اپنی ذات کا اگلا روپ شروع ہوتا ہے۔

زیادہ تر لوگ اسے دور سے دیکھتے ہیں۔

کچھ قریب آتے ہیں۔

بہت کم اسے پار کرتے ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ میں بہادر تھا یا نہیں۔

میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جب بھی زندگی مجھے کسی کنارے کے سامنے لائی، میں نے پیچھے نہ ہٹنے کی کوشش کی۔

کیونکہ وہیں دنیا بڑی ہو جاتی ہے۔

وہیں انسان زیادہ سچا ہو جاتا ہے۔

وہیں کہانی جاری رہتی ہے۔

کنارے کے پار۔